جناب مولانا اجمل خان صاحب مدظلہ (لاہور)

تحریک آزادی میں علماء کا روشن کردار

برصغیر پاک وہند میں اسلام دو طرف سے آیا۔ مغرب سے مسلمان جرنیل محمد بن قاسم کے ذریعہ اور مشرق سے مسلمان تاجروں کے ذریعے۔ ۱۰۰۱ء میں سلطان محمود غزنوی نے پہلی مرتبہ لاہور پر حملہ کیا۔ اس کے بعد شہاب الدین محمد غوری نے لشکر کشی کی۔ تراوڑی کے میدان میں راجپوت راجہ رائے پتھورا سے مقابلہ کیا۔ پہلی بار شکست کھا گیا۔ غوری غیرت مند مسلمان تھا قسم کھائی کہ جب تک شکست کا بدلہ نہیں لوں گا اس وقت تک غسل نہیں کروں گا اور کپڑے تبدیل نہیں کروں گا۔ ایک سال تک تیاری میں مصروف رہا۔ اگلے سال پھر آکر لڑائی کی اور کامیاب ہوا۔ اس کے بعد مختلف خاندان یکے بعد دیگرے برصغیر میں حکومت کرتے رہے۔ مغل حکمرانوں میں اورنگزیب عالمگیر ہوشیار اور بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ متدین اور عالم بھی تھا۔ اس کا انتقال ۱۷۰۷ء میں ہوا۔ اس کے بعد جو لوگ تخت نشین ہوئے ان کی اکثریت نہ صرف یہ کہ نااہل تھی بلکہ بدعمل اور عیاش بھی تھی۔ عالمگیر کے پوتے جہاندار شاہ نے تخت سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اپنی ایک منظور نظر طوائف کے بھائی کو دہلی کا افسر مقرر کیا۔ پھر جہاندار شاہ کے پڑپوتے محمد شاہ رنگیلے نے تو حد ہی کردی۔ اس نے لال قلعے کی اندر حوضوں میں شراب بھروا دی۔ (ایسے حکمرانوں کا انجام جو ہونا تھا وہ ہوکر رہا)۔

۱۷۵۶ء میں نواب بنگال کا انتقال مرشد آباد میں ہوگیا۔ اس کی وصیت کے مطابق مرحوم کا پوتا سراج الدولہ ۲۵ سال کی عمر میں اس کا جانشین ہوا۔ یہ نہایت بیدار مغز اور ہوشیار نواب تھا۔ اس نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ انگریز تجارت کے لیے ہندوستان آئے تھے لیکن اب وہ آہستہ آہستہ اقتدار بھی حاصل کرتے جارہے ہیں اور اگر صورتحال یہی رہی تو ایک وقت آسکتا ہے کہ انگریز پورے ملک پر ہی قابض ہوجائے گا۔ اس نے انگریزوں کی یلغار کو روکنا چاہا۔ انگریز اسے کب برداشت کرسکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ شروع ہوگئی۔ آخر کار صلح ہوگئی لیکن انگریز کب آرام سے بیٹھنے والے تھے۔ انہوں نے نواب سراج الدولہ کے خلاف بعض نامور امراء دربار جن میں میر

جعفر سپہ سالار افواج خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کو نواب کے خلاف سازش کرنے پر اکسایا۔ حالات سے تنگ آکر نواب کو باآخر انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کرنا پڑا۔ پلاسی کے میدان میں دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں۔ خوب جنگ ہوئی۔ اس نازک حالت میں میر جعفر غدار نے نواب صاحب کو میدان جنگ سے بھاگ جانے اور جان بچانے کا مشورہ دیا یہ انگریز کی عیاری اور مکاری کا ایک عملی نمونہ تھا۔ جسکو اس غدار نے انجام دیا۔ اسکے بعد نواب صاحب کی فوج بھی بددل ہوکر بھاگ گئی۔ اس گھناؤنی سازش نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ انگریزوں کے حق میں کردیا۔ اب انگریزوں نے میر جعفر غدار کو اس کی نمک حرامی کا انعام یہ دیا کہ سراج الدولہ کی جگہ اس کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کا نواب بنادیا۔ اس کے بعد میر جعفر نے نواب سراج الدولہ کو گرفتار کرکے قتل کرادیا۔ لیکن نمک حرام بدبخت میر جعفر کے انتقام کی پیاس پھر بھی نہ بجھی اور اس نے مقتول نواب کی لاش کو ایک ہاتھی کے ہودج پر سوار کراکر تمام شہر مرشد آباد میں گشت کرایا۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس سانحہ کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہا:

جعفر از بنگال وصادق از دکن　　　ننگ ملت ننگ دیں ننگ وطن

۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں تیسری لڑائی ہوئی جس میں غازی احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کے برے عزائم کو خاک میں ملادیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ احمد شاہ ابدالیؒ کی فوج کی کل تعداد نوے ہزار تھی اور کل تیس توپیں تھیں جب کہ اس کے مقابلہ میں مرہٹوں کی صرف لڑاکا فوج کی تعداد تین لاکھ تھی جب کہ اس کی فوج کی پشت پر شہروں میں مقیم لوگ بھی تھے۔ اس کے پاس تین سو توپیں تھیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سورج غروب ہونے تک مرہٹوں کا غرور ٹوٹ چکا تھا اور شام کو میدان جنگ ان کی لاشوں سے بھرا پڑا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ جنگ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ایماء پر ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک درد بھرا خط احمد شاہ ابدالیؒ کے نام تحریر کیا تھا اور مرہٹوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ کے لیے دعوت دی تھی۔ حضرت شاہ صاحب سے اللہ تعالیٰ نے تجدید واحیاء دین کا کام لیا۔ ۱۷۰۳ء میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ۱۷۶۲ء میں وفات ہوئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادوں نے جن میں سے ہر ایک آسمان علم وعمل کا آفتاب وماہتاب تھا۔ اپنے والد کی جانشینی کا حق ادا کردیا۔ ”تذکرہ“ کے مصنف کے بقول ہر صاحبزادہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی (آیت من آیات اللہ) تھا۔ ان صاحبزدگان کے اسماء گرامی لکھنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ ان کے کارہائے نمایاں بخوف طوالت نقل کرنے سے قاصر ہوں۔

(۱). شاہ عبدالعزیزؒ　(۲). شاہ رفیع الدینؒ　(۳). شاہ عبدالقادرؒ　(۴). شاہ عبدالغنیؒ۔ یہ بھی بہت بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ لیکن آپکی سب سے بڑی فضیلت اور خصوصیت یہ ہے کہ آپ حضرت شاہ اسماعیلؒ شہید کے والد بزرگوار تھے جو باعتبار علم وفضل تقویٰ وطہارت ان عظیم المرتب بزرگوں میں

سے تھے جو صدیوں میں کبھی پیدا ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال مرحوم نے انہی لوگوں کے بارے میں کہا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

غرض یہ کہ یہ صرف شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے صاحبزدگان اور تلامذہ، معتدین کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ سلطنت کے شدید ترین زوال اور پھر اس کے اختتام کے باوجود ہندوستان سے اسلام فنا نہیں ہوا... اندلس سے مسلمانوں کی حکومت گئی جو صدیوں پر محیط تھی تو ساتھ ان کا مذہب بھی رخصت ہوگیا بہت کچھ مارے گئے اور جو بچ گئے تھے تو انہوں نے طوعاً وکرہاً عیسائی مذہب اختیار کرلیا لیکن یہاں ہندوستان کا حال یہ ہے کہ انگریزوں نے برسراقتدار آنے کے بعد یہ چاہا کہ وہ ہندوستان کو اپنا ہم مذہب بنائے۔ انہوں اس مقصد کیلئے مذہبی کتابوں کی اشاعت پر خطیر رقم صرف کی۔ پادریوں کے ذریعہ بڑی زور شور سے عیسائیت کی تبلیغ کرائی، مباحثوں اور مناظروں کا بازار ایک عرصہ تک گرم رہا۔ لیکن بااین ہمہ یہاں کے مسلمان اپنے دین پر سختی سے قائم رہے۔ استقلال اور استقامت کا مظاہرہ کیا اور اندلس کی طرح ان میں ارتداد کا فتنہ عام نہیں ہوا حق یہ ہے کہ یہ سب کچھ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کی جسمانی اور روحانی اولاد کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا صرف یہی کارنامہ نہ تھا کہ آپ نے وعظ وارشاد تصنیف وتالیف اور درس وتدریس کے ذریعہ عقائد واعمال کی اصلاح کی بلکہ آپ نے تلوار کے ذریعہ ہندوستان میں

خلافت راشدہ کے طرز کی حکومت قائم کرنے کیلئے جدوجہد کی۔ اگر چہ اس جدوجہد میں آپ بلاواسطہ شریک نہیں ہیں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعد میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک اور آپ کا جہاد میدان بالاکوٹ میں ۱۸۳۱ء میں جام شہادت نوش کرنے کے بعد بھی بنگال اور سرحد میں اس تحریک کے نام کو برقرار رکھنے کے لیے مجاہدین کی ایک جماعت کا باقی رہنا اور غلبہ اسلام کیلئے کام کرتے رہنا یہ سب اس فضا کا نتیجہ تھا جو حضرت شاہ ولیؒ اللہ صاحب نے پیدا کردی تھی۔ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ دونوں بزرگوں کے تربیت یافتہ تھے۔ علاوہ ازیں معاملات جہاد میں حضرت صاحب کے دست راست، مولانا محمد اسماعیلؒ شہید تھے، جو رشتے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب کے پوتے تھے۔ پھر یہ بھی واضح ہے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنے چچا حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے خاص طور پر استفادہ کیا تھا اور چچا نے بھی بھتیجے کی صلاحیت اور قابلیت کو دیکھ کر کندن بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ پس اس تمام سلسلے کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو بقول حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کہ یہ صاف نظر آتا ہے کہ حضرت شاہ ولیؒ اللہ صاحب دراصل اسلامی انقلاب کی ایک عظیم الشان تحریک کے بانی تھے۔ اگرچہ حالات کی خرابی اور نزاکت کے باعث اس ملک میں اسلامی حکومت قائم نہ ہوسکی۔ تاہم اس کا یہ اثر ضرور پڑا کہ مسلمان بحیثیت ایک قوم کے اس ملک میں زندہ ہیں۔ ان کی

مذہبی حالت بھی بہ نسبت دیگر ممالک اسلامیہ کے بہتر ہے۔ تمام ہندوپاک میں دینی مدارس کا جال بچھا ہوا ہے اور شب وروز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو پھیلانے میں مصروف عمل ہیں بہرحال مجاہدین کا یہ قافلہ سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے حضرت سید احمدؒ، حضرت شاہ اسماعیلؒ اور ان کی رفقاء نے ۲ مئی ۱۸۳۱ء کو شہادت پائی۔

واقعہ بالاکوٹ کے بعد بھی علماء ہند کی تحریک آزادی اندر ہی اندر زور پکڑتی رہی۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں علماء کا قافلہ سب سے آگے تھا۔ لیکن اپنوں کی بے وفائیوں، غداریوں کی وجہ سے مسلمانوں کو ناکامی ہوئی اور دہلی پر انگریزوں کا پورا قبضہ ہوگیا تو اب انہوں نے دل کھول کر انتقامی کروائیاں شروع کردیں۔ لاکھوں ہندوستانی موت کے گھاٹ اتاردیئے گئے۔ دہلی میں جہاں کوئی مقامی باشندہ نظر آتا اسے گولی کا نشانہ بنا دیا جاتا۔ صرف ایک دن میں چوبیس مغل شہزادوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ دلیر اور بہادر نوجوانوں کو توپ کے دہانے سے باندھ کر ان کے پرخچے اڑا دیئے گئے۔ بعض لوگوں کو سور کی کھالوں میں سی کر دریا میں پھینک دیا گیا۔ لال قلعہ کے قریب شاندار عمارتوں کو مسمار کرکے چٹیل میدان بنادیا گیا۔ دہلی کے علاوہ بھی ہر بڑے شہر میں عارضی پھانسی گھر بنائے گئے۔ سینکڑوں بلند پایہ علماء سولیوں پر لٹکائے گئے۔ لاتعداد خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ اکثر خواتین نے تحفظ ناموس کی خاطر کنوؤں میں چھلانگیں لگادیں۔ بڑے بڑے قیمتی کتب خانوں کو نذر آتش کردیا گیا۔

صاحب تاریخ دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ صرف قصبہ دیوبند میں چوالیس اشخاص کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ آم کے جس درخت پر لوگوں کو پھانسی دی گئی، اس کو راقم السطور نے بھی دیکھا ہے۔

علماء حق سے مراد وہ علما کرام ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی کی غلامی کو قبول نہیں کیا۔ یہ لوگ محض اصطلاحی قسم کی اسلامیات کے فاضل نہیں تھے بلکہ علوم دینیہ پر کامل دسترس کے ساتھ ساتھ عالمی سیاست کے نشیب وفراز سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ پھر ان کا علم محض کتابوں تک محدود نہیں تھا بلکہ عملی میدان میں بھی یہ دوسروں سے آگے تھے اور قائدانہ کردار ادا کررہے تھے۔ ان علماء حق نے آزادی کی تحریک میں نہ صرف کام کیا بلکہ اس تحریک کے بانی اور محرک بھی یہی لوگ تھے۔ ان لوگوں نے ہی اس تحریک کا آغاز کی۔ اور آہستہ آہستہ مسلمانوں اور دوسری اقوام کو اپنے ساتھ ملایا۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ برصغیر میں آباد مختلف اقوام کو اپنا دینی ومذہبی تشخص قائم رکھتے ہوئے اتحاد کی دعوت دی اور اس میں وہ کامیاب رہے۔

جہاد شاملی :- اہل ہند انگریز کے مظالم کے خلاف جب اٹھ کھڑے ہوئے اسی دور میں حضرت حاجی

امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی کی زیر قیادت تھانہ بھون سے مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا لشکر شاملی کی طرف روانہ ہوا۔ جو انگریزوں کی فوج کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس لشکر میں حضرت مولانا قاسم صاحبؒ نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حافظ محمد ضامن صاحبؒ (جو اسی شاملی کے میدان میں شہید ہوئے) قابل ذکر ہیں۔ یہ واقعہ ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو رونما ہوا جب انگریزوں کو اس کا علم ہوا کہ یہ حضرات جو اپنے زمانے کے نامور عالم اور صوفی تھے، ہمارے خلاف جہاد میں شریک ہوئے ہیں تو ان کے وارنٹ گرفتاری جاری کیے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے وطن کو خیرآباد کہہ دیا اور بہ نیت ہجرت مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے۔ اس کے بعد انگریزوں نے تھانہ بھون پر حملہ کرکے اسے تباہ و برباد کر ڈالا اور گھروں کو آگ لگاکر خاکستر بنادیا۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مسلمان کی مخبری پر رام پور سے گرفتار کیے گئے پھر ان کو سہارنپور جیل میں منتقل کردیا گیا، جہاں آپ تقریباً چھ ماہ قید رہے۔ پھر آپ کو رہا کردیا گیا۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد رشید حضرت شیخ الہندؒ کے جہاں باقی کمالات ہیں وہاں آپ کا عظیم کارنامہ انگریزوں کے خلاف منظم اور بھرپور جدوجہد ہے۔ جس میں تحریک ریشمی رومال سب سے اہم واقعہ ہے۔ اس تلخ داستان کو اگر پڑھنا ہو تو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کی "نقش حیات" اور مولانا محمد میاںؒ صاحب کی کتاب "تحریک شیخ الہند" پڑھیں۔ مختصر یہ کہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ جو حضرت شیخ الہندؒ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں۔ مولانا سندھی کا ایک خط جو ریشمی رومال پر لکھا گیا تھا "یار لوگوں" کے ہتھے چڑھ گیا اس کی وجہ سے تحریک کا نام تحریک ریشمی رومال پڑ گیا۔ حضرت شیخ الہندؒ ترکی کے زعماء سے مل کر لمبا پروگرام بنا چکے تھے۔ اور مالٹا جیل میں اپنے رفقاء سمیت ڈال دیئے گئے۔

ریشمی خطوط کی تحریک :- یہ ایک تجویز تھی جو ہندوستان میں تیار کی گئی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ شمال مغربی سرحد سے ایک حملہ ہو، ادھر ہندوستان کے مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور سلطنت برطانیہ کو تباہ کردیا جائے۔ اس تجویز پر عمل کرنے کیلئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اگست ۱۹۱۵ء میں شمال مغربی سرحد کو عبور کیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی مساعی سے عثمانی حکومت کے چند ممتاز قائدین غازی انور پاشا اور حجاز کے گورنر غالب پاشا کی حمایت حاصل ہوگئی۔ ریشمی رومال کی تحریک کے بے نقاب ہوتے ہی حکومت برطانیہ نے برصغیر کی ان تمام ممتاز شخصیتوں کو گرفتار کرلیا جو اس تحریک سے وابستہ تھے۔ ان میں حضرت مولانا احمد علیؒ کے علاوہ ان کے دونوں مرشد حضرت خلیفہ محمدؒ دینپوری اور حضرت سید تاج محمودؒ امروٹی بھی شامل تھے۔

حضرت شیخ الہند محمود الحسنؒ (متوفی ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء)۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ایک طرف تو ہندوستان کے ہندو مسلم باشندوں میں تحریک آزادی کی روح پھونک دی اور دوسری جانب آزاد قبائل کو جہاد کے لیے آمادہ کیا۔ ساتھ ہی حکومت افغانستان اور ترکی وغیرہ کو اپنے خاص نمائندے بھیج کر امداد کے لیے آمادہ کرلیا۔ ادھر آپ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ حج کی غرض سے مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے۔ وہاں شریف حسین نے انگریزوں کی سازش سے ترکوں کے خلاف بغاوت کردی تو پھر اس نے انگریزوں کے اشارہ پر حضرت شیخ الہندؒ کے پاس دستخط کیلئے ایک فتویٰ بھجوایا جس میں ترکوں کی تکفیر کی گئی تھی مگر آپ نے دستخط کرنے سے صاف انکار کردیا۔ اس پر شریف حسین نے آپ کو اور آپ کے رفقاء کو جس میں مولانا حکیم نصرت حسینؒ ، مولانا عزیر گلؒ اور مولانا حسین احمدمدنیؒ شامل تھے گرفتار کرکے انگریزوں کے حوالے کردیا اور مولانا حسین احمدمدنیؒ پہلے ہی گرفتار کیے جاچکے تھے۔ ان حضرات کو جہاز پر سوار کرکے مصر روانہ کردیا گیا۔

انگریز دشمنی اور نفرت :۔ حکیم نصرت حسینؒ جو شیخ الہندؒ کے ساتھیوں میں سے تھے جب حضرت شیخ الہندؒ کی رہائی کا وقت آیا تو آپ نے ان کی قبر پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ انگریز حکام نے چند فوجی نوجوانوں کو آپ کے ہمراہ بھیجا۔ حالانکہ آپ اس وقت بہت لاغر اور کمزور ہوچکے تھے۔ مگر اس حالت میں بھی آپ ان فوجیوں سے تیز تیز ان کے آگے چل رہے تھے۔ کسی ساتھی نے پوچھا کہ حضرت اس کبرسنی اور کمزوری اور بیماری کی حالت میں جب کہ آپ سے چلنا مشکل ہورہا ہے تو ان فوجیوں سے آگے کیسے چل رہے تھے ؟ فرمایا میری غیرت ایمانی گوارہ نہیں کرسکی کہ اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن میرے آگے آگے چلے اور میں پیچھے چلوں۔ حضرت شیخ الہندؒ کے متعلق یو۔پی کے گورنر سر جیمس نے کہا تھا کہ " اس شخص کی اگر بوٹی بوٹی بھی کردی جائے تو ہر بوٹی سے انگریزوں کی عداوت ٹپکے گی۔ "

ان حضرات میں سے ہر ایک کو کال کوٹھڑی میں بند کیا گیا۔ تقریباً ہر شخص کو یقین تھا کہ پھانسی کی سزا ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق اسارت مالٹا کی تجویز ہوئی۔ اسارت مالٹا کی مدت تقریباً تین سال ہے۔ اس فرصت میں حضرت مولانا حسین احمدؒ مدنی نے اپنے استاذ محترم کی بے نظیر خدمت انجام دی اور اپنی دیرینہ خواہش حفظ قرآن کریم کی تکمیل فرمائی۔ نیز حضرت شیخ الہندؒ صاحب جو ترجمہ قرآن مجید تحریر فرمارہے تھے اس میں آپ ان کے معاون رہے۔ پھر ۱۹۲۰ء میں ان حضرات کی رہائی ہوئی۔ اس وقت تحریک خلافت ہندستان میں زوروں پر تھی۔ اسارت مالٹا

کے زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ کی صحت بری طرح متاثر ہوچکی تھی اس لیے آپ اپنا ارادہ پورا نہ فرماسکے کہ ہندوستان کے طول وعرض کا دورہ کرکے رائے عامہ کو حصول آزادی کیلئے مزید ہمراہ کرتے ۔ تقریباً پانچ ماہ علیل رہ کر ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دہلی میں ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوٹھی پر آپکا وصال ہوگیا۔اور حضرت مولانا حسین احمدؒ مدنی کو حضرت شیخ الہندؒ کی جانشینی کا بار اٹھانا پڑا ۔

حضرت شیخ الہندؒ کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کے تاثرات کچھ یوں ہیں کہ " مولانا شیخ الہندؒ مرحوم ہندوستان کے گذشتہ دور کے علماء کی آخری یادگار تھے ۔ ان کی زندگی اس دور حرمان وفقدان میں علماء حق کے اوصاف وخصائل کا بہترین نمونہ تھی ۔ ان کا آخری زمانہ جن اعمال حقہ میں بسر ہوا وہ علماء ہند کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہیں گے ۔ ستر برس کی عمر میں جب ان کا قد ان کے دل کی طرح اللہ تعالیٰ کے آگے جھک چکا تھا عین جوارح حرم میں گرفتار کیے گئے اور کامل عین سال جزیرہ مالٹا میں نظر بند رہے ۔ یہ مصیبت انہیں صرف اس لیے برداشت کرنی پڑی کہ اسلام وملت اسلام کی تباہی وبربادی پر ان کا خدا پرست دل صبر نہ کرسکا اور انہوں نے اعداء حق کی مرضیات وہوا کی تسلیم واطاعت سے مردانہ وار انکار کردیا ۔"

ایک دفعہ دارالعلوم دیوبند کے قبرستان میں کسی طالب علم کو دفن کرنے کیلئے لے گئے ۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ نانوتوی کی قبر کے پاس جگہ خالی تھی تو مولانا عزیر گلؒ صاحب (اسیر مالٹا) نے یہ کہا کہ حضرت شیخ آپ کی قبر کے لیے یہ جگہ موزوں ہے ۔ اس کو اپنے لیے آپ مختص کردیں تاکہ آپ کو اپنے استاد محترم کا جوار نصیب ہوجائے ۔ حضرت شیخ الہندؒ صاحب نے فرمایا کہ یہ تو آپ کی خواہش ہے ! مجھ سے پوچھا ہوتا کہ میری کیا تمنا اور آرزو ہے ؟ فرمانے لگے کہ میری تو یہ خواہش ہے کہ میدان جہاد میں اس طرح مارا جاؤں کہ ہاتھ کہیں کٹا پڑا ہو ، سر کہیں ہو دھڑ کہیں پڑا ہو میں تو چاہتا ہوں کہ قبر کا نشان ہی نہ بنے ۔

حضرت مولانا حسین احمدؒ صاحب مدنی نے ہندوستان میں حضرت شیخ الہندؒ کی جاری کردہ تحریک آزادی کو مزید آگے بڑھانے میں قائدانہ کردار ادا کیا ۔ آپ کو مختلف جلسوں اور کانفرنسوں کی صدارت کے فرائض انجادم دینا پڑے ۔

مقدمہ کراچی :- کراچی میں خلافت کمیٹی کے عظیم الشان اجلاس ہوئے جن میں مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علیؒ بھی شریک تھے ۔ چونکہ شیخ الہندؒ کی حیات میں ترک موالات کی تحریک کا آغاز ہوچکا تھا اور تقریباً پانچ سو علماء ترک موالات کے سلسلے میں فتویٰ بھی صادر کرچکے تھے ۔ اس جذبے کو برقرار رکھتے ہوئے مذکورہ اجلاسوں میں حضرت مولانا حسین احمدؒ مدنی نے ایک تجویز پیش فرمائی

جس کا خلاصہ یہ تھا کہ انگریزوں کی فوج میں ملازم رہنا ، بھرتی ہونا یا اسکی دوسروں کو ترغیب دینا حرام اور ناجائز ہے اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جو لوگ فوج میں ملازم ہیں ان تک یہ حکم پہنچائے اور فوج سے علیحدہ ہوجانے کی ترغیب دے ۔ مولانا محمد علیؒ اور دیگر لیڈروں نے اس تجویز کی تائید کی۔ حکومت برطانیہ کی نظر میں چونکہ مذکورہ تجویز نہایت سنگین جرم تھی اس لیے مولانا حسین احمدؒ مدنی ، مولانا محمد علیؒ ، مولانا شوکت علی اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو ، مولانا نثار احمد کانپوری ، پیر غلام مجددسندھی اور گروشنکر اچاریہ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے ۔ مولانا مدنیؒ کو دارالعلوم دیوبند سے گرفتار کیا گیا۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۱ء کو خالق دینا ہال کراچی میں مقدمہ کی کاروائی شروع ہوئی ۔ حضرت مولانا مدنیؒ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے بموجب

" افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر "

" سب سے افضل جہاد جابر بادشاہ کے سامنے کلمہ حق بلند کرنا ہے ۔ " آپ نے بلاخوف وخطر صاف طور پر کہہ دیا۔ میں ایک مذہبی آدمی ہوں ۔ قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث پر میرا پورا اعتقاد ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو مذہبی فرائض ادا کرنے سے روکے تو اس روک تھام کو خاطر میں نہ لائے اور اپنے راستہ میں حائل نہ سمجھے ۔ حضرت مدنیؒ نے عدالت میں ترک موالات اور مسلمان کے قتل حرام پر ہونے قرآن مجید کی چھ آیتیں اور چوتنیس احادیث اور علم کلام کی معتبر کتابوں کے حوالے اور فقہاء کرام کے فتاویٰ پیش فرمائے ۔ اور مزید فرمایا اگر مذہبی فرائض کا لحاظ واحترام نہ کیا گیا تو اس صورت میں کروڑوں مسلمانوں کو اس مسئلہ کا تصفیہ کرلینا چاہئیے کہ آیا وہ مسلمانوں کی حیثیت سے زندہ رہنے کو تیار ہیں یا حکومت برطانیہ کی رعایا کی حیثیت سے ؟ اگر گورنمنٹ مذہبی آزادی چھیننے کیلئے تیار ہے تو مسلمان جان تک قربان کردینے کو تیار ہوں گے اور میں پہلا شخص ہوں کہ اپنی جان قربان کردوں گا ۔ یہ بات سن کر مولانا محمد علی جوہرؒ نے مولانا حسین احمدؒ مدنی کے قدم چوم لئے ۔ یکم نومبر ۱۹۲۱ء کو اس تاریخی مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا گیا ۔ اس مقدمہ میں سب کو دودو سال کی قید سخت کی سزا سنائی گئی ۔ اس عرصہ اسارت میں مولانا محمد علی جوہرؒ نے حضرت حسین احمدؒ مدنی سے ترجمہ قرآن مجید پڑھا دوسال کے بعد آپکو رہا کردیا گیا۔ رہائی کے بعد پھر تحریک آزادی کو برقرار رکھنے کی کوشش شروع کردی ۔ ۱۹۴۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کا آپ کو صدر منتخب کیا گیا ۔ جون ۱۹۴۲ء میں آپ کو ایک خلاف قانون تقریر کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا اور چھ ماہ کی قید با مشقت کی سزا دی گئی ۔ چھ ما

پورے ہونے کے بعد حکومت نے آپکو رہا نہیں کیا بلکہ غیر معینہ مدت کے لیے نظر بند کر دیا ۔ پھر ۲۴ جنوری ۱۹۴۳ء میں آپ کو مراد آباد جیل سے نینی جیل مراد آباد منتقل کر دیا اور وہاں تقریباً انیس ماہ نظر بند رہے ۔ دو سال دو ماہ کی یہ مدت اسارت اس وقت ختم ہوئی جبکہ ۲۶ اگست ۱۹۴۴ء کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیے گئے ۔

مندرجہ بالا سطور میں تحریک آزادی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے علماء حق کے سنہری کارناموں کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے ۔ ورنہ داستان غم بہت طویل ہے

ع قصہ کوتاہ کردورنہ درد سر بسیار بود

آخر میں آزادی کی جو جنگ پاکستان کے حصول کی خاطر لڑی گئی اس میں علماء حق کی سنہری کردار کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے ۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اکابر علماء دیوبند نے تحریک پاکستان میں نہ صرف علمی تائید کی بلکہ جدوجہد میں بھی بھرپور حصہ لیا ۔ جسکا اعتراف مسلم لیگ کے قائدین نے بھی کھلے دل سے کیا مسلم لیگ نے جھانسی کا پہلا الیکشن کانگریس سے علیحدہ ہوکر لڑا اور اسکی تائید وحمایت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ اور انکے ہزاروں معتقدین علماء فضلاء اور مریدوں نے کی جھانسی کا الیکشن جیتنے کے بعد مولانا شوکت علی مرحوم اور دوسرے عمائدین مسلم لیگ شکریہ ادا کرنے کیلئے حضرت کے پاس تشریف لائے ۔علامہ محمد اقبالؒ نے ۱۹۳۰ء میں آلہ آباد کے جلسہ میں خطبہ صدارت میں اسلامی سلطنت کا تخیل پیش کیا ۔ بقول مفسر قرآن عبدالماجد دریاآبادیؒ ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۹۲۸ء میں اسلامی سلطنت کا تخیل اپنی مجلس میں تفصیل کیساتھ پیش کر چکے تھے ۔

۴۶ ۔ ۱۹۴۵ء کے قومی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں اکابرین ملت علماء ومشائخ کی معیت میں نظریہ پاکستان کی تائید کی اور جگہ جگہ اجتماعات میں صدارتی خطبے پڑھے جو ابتک طبع شدہ ہیں ۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا خطبہ بعنوان " ہمارا پاکستان " خصوصیت کے ساتھ قابل ملاحظہ ہے ۔ ان جید علماء کی جہد مسلسل کے نتیجہ میں عوام نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا ۔ اس کامیابی کو کسی فرد یا کسی ایک جماعت کی کامیابی تصور کرنا حقیقت شناسی سے بعید ہے ۔ ان انتخابات میں کامیابی کے بعد صوبہ بنگال میں ریفرنڈم کا ڈھونگ کھڑا کیا گیا ۔ سرحد میں کانگریس کی حکومت تھی وہاں پختونستان کا نعرہ بلند ہوا ۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ صوبہ سرحد کے پاکستان میں شامل ہونے یا نہ ہونے پر استصواب کیا جائے اس اہم اور نازک بلکہ زندگی اور موت کا مسئلہ سلجھانے کیلئے علامہ عثمانیؒ

نے سرحد کا طوفانی دورہ کیا۔ آپ نے پشاور، بنوں، کوہاٹ، مردان، ڈیرہ اسماعیل خان، ہزارہ، سوات، آزاد قبائل اور دیگر علاقوں کے دورے فرمائے۔ علامہ عثمانیؒ کی مدلل سحرانگیز تقاریر نے سرحد کے مسلمانوں کی کایا پلٹ دی۔ اور سرحد کے غیور عوام نے پاکستان کے حق میں ووٹ دے دیا۔ اس سفر میں علامہ عثمانیؒ کے ساتھ مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا شمس الحق افغانیؒ بھی تھے۔ کامیاب دورے کے بعد علامہؒ کراچی واپس آئے تو بابائے قوم مسٹر جناحؒ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے علامہؒ کو مبارک باد دی اور کہا کہ آپ کے ایمان افروز خطابات نے لوگوں میں مذہب کی روح پھونک دی۔ اسی طرح بنگال کے ریفرنڈم میں علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے بھرپور حصہ لیا اور قریہ قریہ، بستی بستی، گاؤں گاؤں خود تشریف لے گئے اور کہا کہ ہم الگ خطہ اس لیے قائم کرنا چاہتے ہیں، تاکہ یہاں قرآنی دستور کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔ سحرانگیز خطبات اور وقیع دلائل نے بنگال کے عوام کو ریفرنڈم میں پاکستان کے حق میں ووٹ دینے پر مجبور کردیا۔ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کے ساتھ اس دورے میں مولانا اطہر علیؒ اور مولانا محمد سہول عثمانیؒ جیسے حضرات بھی شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اکابر علماء کی محنت شاقہ کے نتیجہ میں سرحد اور بنگال پاکستان کا حصہ بن گئے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کی خدمات جلیلہ کا اعتراف عام وخاص کو تھا یہی وجہ ہے کہ مغربی اور مشرقی پاکستان میں جھنڈا لہرانے کا اعزاز ان دو حضرات کے نصیب میں آتا ہے۔ یہ بات لکھتے ہوئے میرا قلم کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کا جھنڈا لہرانے کا اعزاز کسی آکسفورڈ، کیمرج اور کیلفورنیا یونیورسٹیز کے فارغ شدگان کے حصہ میں نہ آیا بلکہ یہ اعزاز دیوبند کے ان فضلاء کو ملا جنھوں نے تحریک پاکستان میں شبانہ روز محنت کرکے اپنی علمیت اور قابلیت کا لوہا منوایا۔

ایک موقع پر بمبئی میں بابائے قوم مسٹر جناحؒ نے دیوبند کی ایک عظیم ہستی حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو خراج تحسین ان الفاظ میں پیش کیا اور کہا کہ:

مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے جس کا علم تقویٰ اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور تمام علماء کا علم اور تقویٰ دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو اس ہستی کا پلڑا بھاری ہوگا۔ وہ مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں۔ وہ چھوٹے سے قصبے میں رہتے ہیں۔ مسلم لیگ کو آپ جیسی عظیم المرتب ہستی کی حمایت کافی ہے۔

قیام پاکستان کا اصل محرک اسلام کے فروغ وسربلندی کا جذبہ تھا۔ تحریک پاکستان کے موقع

پر جن مسلمانوں نے اس تحریک کا ساتھ دیا ان کے ذہن میں اسلام کے سوا کوئی اور منزل مقصود نہ تھی ۔ پاکستان بنتے وقت اس خطۂ زمین کیلئے جو قربانیاں دی گئیں وہ صرف اسلام کیلئے تھیں ۔ پاکستان کے قیام کا مقصد صرف اور صرف " اسلامی مملکت " قیام تھا جو اس کے نعرے سے بالکل واضح تھا اور ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا ؟ " لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "؟

بابائے ملت مسٹر جناحؒ نے اگست ۱۹۴۴ء میں گاندھی کے نام جو خط لکھا تھا اس میں صاف صاف کہا کہ " قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے اس میں مذہبی مجلس دیوانی فوجداری ، عسکری ، تعزیری معاشرتی ، معاشی غرض کہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں ۔ مذہبی رسوم سے لیکر روزانہ کے امور حیات تک ، روح کی نجات سے لیکر جسم کی صحت تک ، جماعت کے حقوق سے لیکر فرد کے حقوق وفرائض تک دینوی زندگی میں جزا وسزا سے لیکر عقبیٰ کی جزا وسزا تک ہر فعل وقول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے ۔ لہذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہیں تو حیات ومابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں " ۔

۱۹۴۵ء میں ایک پیغام میں مسٹر جناحؒ نے کہا تھا کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات واخلاقیات تک محدود نہیں بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین وایمان اور قانون حیات ہے ۔ یہ ہمارے مذہبی ، معاشرتی ، تجارتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے ۔ ہمارے رسولؐ اللہ کا حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلامِ کا نسخہ ضرور ہو اور وہ اس کو بغور وخوض پڑھے تاکہ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہدایت کا باعث بنے ۔ ایک طرف پاکستان کا مطلب کیا ؟ " لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ " کا نعرہ اور دوسری طرف یہ مقامات تھے جس کے حصول کیلئے مسلمانوں نے تن من دھن سب کو قربان کردیا ۔ بد قسمتی سے ۵۰ برس پورے ہونے کے باوجود اس مملکت خداداد پاکستان میں اسلام کا نفاذ عملی طور پر نہ ہوسکا ۔ اسی وجہ سے پاکستان کا بڑا حصہ مشرقی پاکستان ہم سے کٹ گیا جو اب بنگلہ دیش کہلارہا ہے ۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا　　کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا

جسطرح علماء دیوبند نے تحریک پاکستان میں بھر پور اور کلیدی کردار ادا ، اسی طرح " تعمیر پاکستان " میں اور جن عظیم مقاصد کیلئے پاکستان حاصل کیا گیا یعنی اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے بھی ناقابل فراموش کارنامے سرانجام دیئے ۔ اس وقت اجمالی خاکہ ہی پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں ۔

" ۱۹۴۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے قرارداد مقاصد تیار کی ۔ وزیر اعظم مسٹر لیاقت علی خانؒ نے

منظور کرایا ۔ اس قرارداد سے پاکستان کا رخ اسلامی نظام کی طرف ہوا ، اور اس مملکت خداداد پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانے والوں کے خواب چکنا چور ہوگئے ۔ ۱۹۴۹ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ ، مولانا محمد شفیعؒ اور ڈاکٹر حمید اللہؒ پر مشتمل تعلیمات اسلامی بورڈ قائم ہوا جو اپریل ۱۹۴۵ء تک تقریباً ساڑھے چار سال تک کام کرتا رہا ۔ بورڈ کی سفارشات ارباب اقتدار کی نظر میں پسندیدہ قرار نہ پائیں بلکہ شاید ان کی طبع نازک پر گراں گذری ہوں ۔ اس لئے انکو عوام میں روشناس نہیں کرایا گیا، انہیں سردخانہ میں ہی رکھ دیا گیا ۔ ۱۹۵۱ء میں خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی دعوت پر ہر مکتبہ فکر کے اکابر او مشائخ عظام کے اجتماع میں اسلام کے نفاذ کیلئے ۲۲ اصول مرتب کئے گئے جو امت کی وحدت اور ملک میں اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ کے ضامن تھے ۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے زور دینے پر ۱۹۵۰ء کے اواخر میں ایک کمیشن مقرر کیا گیا جس میں جسٹس رشید احمد جسٹس میمن ماہر قانون کی حیثیت سے شریک کئے گئے ، اور علماء کی وجہ سے صرف علامہ سید سلیمان ندویؒ کو ممبر بنایا گیا ۔ مگر انکے اصرار پر مولانا مفتی محمد شفیعؒ کو بھی کمیشن کا رکن بنادیا گیا ۔ یہ کمیشن دوسال تک کام کرتا رہا لیکن وزارتوں کے تغیروتبدل اور برسر اقتدار طبقوں کے بعض افراد کی مسلسل رکاوٹوں کے باعث مساعی رکاوٹوں کے باعث جو اس ملک میں اسلامی نظام دیکھنے کے روادار تھے اس کمیشن کی مساعی اسلامی نظام کے سلسلہ میں نتیجہ پیدا نہ کرسکی

تاریخ پر اگر طائرانہ نظر ڈالیں تو ہر تحریک کا ہراول دستہ اکابرین علماء دیوبند نظر آتے ہیں ۔ ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت یا عائلی قوانین کے خلاف نعرہ حق ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو یا شریعت کے نفاذ کیلئے ایوانوں میں یا ایوانوں سے باہر قلندرانہ آواز تو میدان عمل میں حضرت مولانا سید انورشاہ کاشمیریؒ ، حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ ، حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ ، حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ ، حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ ، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ ، حضرت مولانا عبدالحقؒ ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ ، حضرت مولانا لال حسین اخترؒ ، حضرت مولانا محمد حیاتؒ اور دیگر اکابر جلوہ افروز نظر آتی ہیں ۔ ان شخصیات نے ہمیشہ حق کے پرچم کو بلند رکھا اور باطل قوتوں کے خلاف سینہ سپر رہے ۔ ان تحریکوں میں دیگر مسالک کے علماء حضرت مولانا ابوالحسنات قادریؒ ، حضرت مولانا عبدالحامد بدایونیؒ ، حضرت مولانا داؤد غزنویؒ ، حضرت کفایت حسینؒ ، سید مظفر علی شمسی اور دیگر اکابر کے شانہ بشانہ شریک رہے ہیں ۔